بیع بالتقسیط

یعنی

قسطوں پر خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

مقالہ نگار

مفتی غلام قادر نعمانی

استاد: دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

برائے فقہی سیمینار اسلام آباد

فہرست ذیلی عنوانات:

۱۔ بیع بالتقسیط۔

۲۔ بیع بالتقسیط کی حقیقت۔

۳۔ فریقین کے دلائل۔

۴۔ مسلک احناف۔

۵۔ خلاصہ بحث۔

۶۔ ثمن کی قسطوار ادائیگی میں دین کی توثیق اور اس کی قسمیں۔

۷۔ عدم جواز کی پہلی بحث (امساک البائع لضمان التسدید)۔

۸۔ مبیع کے کاغذات رہن میں رکھنا۔

۹۔ بنونضیر کے واقعہ سے جواز کا استدلال اور اس کا جواب۔

۱۰۔ تنویر کی عبارت سے جواب۔

۱۱۔ بیع منعقد ہونے کے بعد مبیع اور ثمن میں زیادت یا کمی کرنا۔

۱۲۔ بیع بالتقسیط میں مدت پوری ہونے سے قبل قسط ادا کرنا۔

۱۳۔ قسط میں تاخیر کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على النبي الكريم و على اله و اصحابه اجمعين. اما بعد.

دور حاضر میں دنیا میدان معیشت میں جتنی ترقی کرتی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ مسائل میں دشواریاں بڑھتی گئیں۔ کیونکہ دنیا کی ترقی سے ایسے مسائل درپیش ہوئے جس پر قدیم زمانے میں مجتہدین و محققین حضرات نے اجتہاد و تحقیق نہیں کی۔ اس دور میں اگرچہ مجتہدین مفقود ہیں لیکن امت کو درپیش مسائل کا حل اس دور کے علماء کرام کا فریضہ بن چکا ہے۔ لہٰذا علماء محققین کیلئے ضروری ہے کہ مل جل کر اتفاق رائے سے مشکل مسائل کا حل تلاش کریں۔

بیع بالتقسیط:

یعنی قسطوں پر خرید و فروخت کی شرعی حیثیت کے موضوع پر اس سے پہلے محققین علماء نے قلم اٹھایا ہے۔ جن میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سرفہرست ہے۔ بندہ اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بیع بالتقسیط کے موضوع پر چند معروضات محققین کے سامنے پیش کرتا ہے۔

(۱) بیع بالتقسیط کی حقیقت:

بیع بالتقسیط کی حقیقت یہ ہے کہ بائع یعنی بیچنے والا مبیع یعنی سامان تجارت مشتری یعنی خریدار کو فی الحال دیدے۔ لیکن مشتری اس مبیع کی قیمت خریدتے وقت یکمشت ادا نہ کردے بلکہ مقرر شدہ تاریخوں کے مطابق قسط وار ادا کردے۔ جس بیع و شراء میں یہ صورت پائی جائے اس کو بیع بالتقسیط کہا جاتا ہے۔ خواہ یہ قیمت مارکیٹ کی قیمت کے مساوی ہو یا کم و زیادہ ہو، لیکن عرف اس پر جاری ہے کہ مارکیٹ کی نقد قیمت سے قسطوار قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اس بناء پر اشیاء کی قیمتیں توقیفی نہیں کہ ان میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو۔ نیز کسی چیز کا نفع لینے کی شرح کیا ہو اس کے متعلق کوئی پابند ضابطہ نہیں۔ صحابہ کرامؓ سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ انہوں نے قیمت خرید پر دوگنا وصول کیا اور دوسرا یہ کہ کسی چیز کی قیمت متعین کرنا بھی شرعاً منع ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو بھاؤ کو متعین کردینے سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک و رازق ہے۔ اتار چڑھاؤ کا مالک ہے۔ مسند امام احمد (۱۵۶/۳) الا یہ کہ سلطان اس میں مصلحت سمجھے تو جائز ہے۔

(۲) بیع بالتقسیط کے جواز میں علماء کا اختلاف:

بظاہر اس بیع بالتقسیط میں بیچنے والا مدت کے مقابلے میں زیادہ قیمت وصول کرتا ہے۔ اس زیادہ قیمت سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مدت کے مقابلے میں زیادہ قیمت وصول کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ اس زیادہ قیمت وصول کرنے میں بعض علماء کی رائے عدم جواز کی

ہے۔ یہی مسلک زین العابدین، علی بن حیان، ناصر ہارویہ کا ہے۔نقلہ الشوکانی۔اس لئے کہ یہ زیادت مدت کے عوض میں ہے اور جو ثمن مدت کے عوض میں ہو وہ سود ہے، جسے شریعت نے حرام کیا ہے۔جبکہ جمہور علماء بیع بالتقسیط کے جواز کے قائل ہیں۔چاہے مبیع کی قیمت کم ہو یا زیادہ، عمیق نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے ساتھ بعض علماء کا نزاع حقیقی نہیں ہے بلکہ لفظی نزاع ہے۔کیونکہ بعض علماء نے جس صورت میں عدم جواز کی رائے قائم کی ہے اس کی علت اور وجوہات دو ہیں۔(۱) یعنی ان الزیادة ھھنا لا جل الاجل لا لعوض الاجل. یہاں پر قیمت میں اضافہ ادھار کی وجہ سے ہے۔ادھار کے عوض میں نہیں قرآن وحدیث میں اسکے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں۔جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اصل ایک وصف ہے۔اور وصف کا معاوضہ نہیں ہوتا لیکن وصف کی مرغوب ہونے کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے۔اور وصف ناپسند ہونے کی وجہ سے قیمت کم ہو جاتی ہے۔اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صاع کھجور کے عوض ایک صاع کھجور لینے کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔اب اس کے متعلق مزید تاکید کی ہے کہ عمدہ اور ردی کھجور کا بدلہ ہو تو برابر لینا ہوگا۔اس کے عمدہ ہونے کی صورت میں اضافہ نہ دے سکتے ہیں۔اور نہ ہی لے سکتے ہیں۔بہترین کھجور کے ایک سیر کے بدلے میں معمولی کھجور دو سیر دینے سے منع فرمایا کیونکہ ان میں ایک سیر کے بدلے میں سیر آجاتا ہے۔اور دوسرا اس کے وصف جودت وعمدگی کے عوض میں لیا جاتا ہے۔ جو کہ ناجائز ہے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تدبیر یوں فرمائی کہ ردی کھجور کو کم قیمت پر فروخت کردو۔پھر حاصل ہونے والے زر ثمن سے بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے خرید لو۔اس معاملہ میں بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے فروخت کرنا اس کے وصف مرغوب کی وجہ سے ہے۔اس معاملہ میں قیمت مجہول ہے اور مجہول قیمت پر بیع وشراء جائز نہیں ہے۔ (۲)۔اس معاملہ میں مدت کے مقابلے میں زیادہ پیسہ وصول کیا گیا ہے جو در حقیقت ادھار سے نفع ہے۔اور ادھار سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔اور یہ دو وجوہات جمہور تسلیم کرتے ہیں۔بلکہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مجہول قیمت پر خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔اور ادھار سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔اور جمہور جس صورت میں بیع بالتقسیط کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ ہے کہ قیمت متعین ہو مجہول نہ ہو اور یہ زیادت مدت کا عوض نہ ہو بلکہ مدت کے مقابلے میں مبیع کی قیمت میں اضافہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جب قیمت متعین ہو اور زیادت اصل قیمت پر ہو مدت کا عوض نہ ہو تو یہ شرعاً جائز ہے۔اس سے بعض علماء بھی انکار نہیں کرسکتے ہیں۔کیونکہ جب ایک دکاندار کیلئے یہ جائز ہے کہ مارکیٹ کے بھاؤ کی وجہ سے دس روپیہ کا سامان نقد بیس میں فروخت کردیں تو اس کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنا سامان نقد بیس کے بجائے ادھار بیس پر فروخت کردیں۔اب اگر یہ کہا جائے کہ دس والی چیز نقد بیس پر فروخت جائز ہے اور بیس ادھار پر جائز نہیں تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

فریقین کے دلائل:

بعض علماء کا مستدل یہ حدیث شریف ہے۔

عن ابی ھریرة رضی الله عنه ، قال نھیٰ رسول الله ﷺ عن بیعتین فی بیعة.

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے۔ جمہور کے دلائل اطلاقات نصوص ہیں۔ اور مذکورہ حدیث شریف کی تفسیر وتشریح اس طرح کرتے ہیں۔ جس طرح امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تشریح وتفسیر کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ بیعتین فی بیعۃ سے مراد یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں تم کو یہ کپڑا نقد دس درہم میں بیچتا ہوں اور نسیۃً بیس پر بیچتا ہوں اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کر کے جدائی نہیں ہوئی۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ معاملہ ایک پر طے ہوگیا۔ یعنی نہی کی علت قیمت میں تردد ہے۔ مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادت نہی کی علت نہیں ہے۔ جمہور علماء کے مسلک کی تائید بہت آثار سے ثابت ہے۔ اطمینان حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ مؤطاء امام مالک ص ۵۹۷۔ سنن النسائی ج ۲ ص ۱۹۷۔ کنز العمال ج ۴ ص ۷۸۔ مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۳۷۔ مصنف ابن شیبہ ج ۵ ص ۵۴۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۳۵۔ مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۶ ص ۸۸۔

مسلک احناف:

احناف بیع بالتقسیط میں جواز کے قائل جمہور کے ساتھ اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ احناف کی معتبر کتاب ہدایہ باب المرابحہ میں اس عبارت سے یہ مسئلہ مذکور ہے۔ و من اشتریٰ غلاماً بالف درهم نسيةً فباعه بربح مائة و لم يبين فعلم المشترى فان شاء رده وان شاء قبل لان للاجل شبهاً بالمبيع الا يرىٰ انه يزاد فى الثمن لاجل الاجل. (۱) الهداية (ج ۳ ص ۷۶)

مزید تفصیل کیلئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

ردالمحتار ج ۴ ص ۱۷۷، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۷۸، البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۴، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۳۳ مجمع الانہر ج ۳ ص ۱۱۲ الفقہ الاسلامی ج ۴ ص ۱۷۴

مسلک احناف میں بیع بالتقسیط کا جواز اس وقت ہے۔ جب دو قیمتوں میں ایک قیمت متعین ہو اور مدت بھی متعین ہو اگر ایک قیمت متعین نہ ہو یا تعین مدت میں تردد ہو تو پھر بیع بالتقسیط جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مدت کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں زیادت جائز ہے۔ قیمت متعین ہونے کے بعد مدت کے عوض کا مطالبہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ثمن کی قسطوار ادائیگی میں دین کی توثیق اور اس کی قسمیں:

چونکہ بیع مؤجل میں بیع کے مکمل ہوتے ہی ثمن مشتری کے ذمہ دین ہوجاتا ہے۔اس لئے بائع کا مشتری سے اس دین پر کسی توثیق کا مطالبہ کرنا، یا مقررہ وقت پر دین ادا کرنے پر کسی گارنٹی کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ ذیل میں اس کی چند صورتیں ذکر کرکے جانتے ہیں۔جن میں بعض عدم جواز کے ہیں۔

(۱) عدم جواز کی پہلی صورت: امساک البائع لضمان التسدید:

لا یجوز فی صورت حبس المبیع فی المؤجل کما فی الهندیة . قال اصحابنا رحمهم الله . للبائع حق حبس المبیع لاستیفاء الثمن اذا کان حالا ، کذا فی المحیط ، و ان کان مؤجلا فلیس للبائع ان یحبس المبیع قبل حلول الاجل ولا بعده کذا فی مبسوط . (الفتاویٰ الهندیة)

ترجمہ: ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نقد بیع میں ثمن کی وصولیابی کیلئے بائع کو حق حبس بیع حاصل ہے۔لیکن بیع مؤجل میں بائع کو حق حبس حاصل نہیں نہ ادائیگی کے وقت سے پہلے اور نہ ادائیگی کے وقت کے بعد۔

(۲) مبیع کو رھن میں رکھنے کے جواز کی ایک صورت:

کہ مشتری اس مبیع کو پہلے اپنے قبضے میں لے اور پھر بطور رہن کے وہی مبیع بائع کے پاس واپس رکھ دے۔یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں۔" و من اشتریٰ ثوبا بدراهم فقال للبائع : امسک هذا الثوب حتیٰ اعطیک الثمن فالثوب رهن .

اسی عبارت کو صاحب ہدایہ نے بھی نقل کیا ہے۔اور پھر صاحب کفایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں "لان الثوب لما اشتراه و قبضه کان هو و سائر الاعیان المملوکة سواء فی صحة الرهن". الکفایة شرح الهدایة.

(۳) تیسرے شخص کی طرف سے ضمانت اور گارنٹی:

حصول قرض پر ضمانت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مشتری کی طرف سے بیع مؤجل کی صورت میں بائع کیلئے کوئی تیسرا شخص اداء دین کی ضمانت لے لے اور یہ ذمہ داری قبول کرے کہ مدیون (اصیل) اگر دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو میں ادا کروں گا۔اس قسم کی ضمانت کو "کفالہ" کہا جاتا ہے۔لیکن اس ضمانت پر اجرت لینا کسی حال میں جائز نہیں۔بل آف ایکسچینج کے ذریعہ دین کی توثیق،(التوثیق بالکمبیالة) بعض اوقات دین کی توثیق اس طرح کی جاتی ہے۔کہ ایک دستاویز لکھی جاتی ہے۔جس پر یہ تحریر ہوتا ہے۔کہ وہ (مشتری) بائع کی اتنی رقم کا اتنی مدت کے لیے مدیون ہے۔اور وہ یہ رقم اس تاریخ پر بائع کو ادا کردے گا۔اور پھر اس پر مشتری اپنے دستخط کردیتا ہے۔آج کل

اس دستاویز کو بل آف ایکسچینج کہا جاتا ہے۔اور جس تاریخ پر مشتری دین ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔اس کو (DATE MATURIT) کہا جاتا ہے۔اور شرعاً کسی دستاویز کے ذریعہ دین کی توثیق جائز بلکہ مندوب ہے۔اس لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھاالذین آمنو اذا تداینتم بدین الی اجل فاکتبوہ ۔اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

(۴) مبیع کے کاغذات رہن میں رکھنا:

بیع بالتقسیط کا معاملہ اس دور میں اس طرح کیا جاتا ہے۔کہ ایک دکاندار گاڑی، مکان وغیرہ دیگر اشیاء کی خرید وفروخت کرتا ہے۔تو خریدار پر یہ اعتماد نہیں ہوتا ہے۔کہ وقتاً فوقتاً وہ قسط ادا کریگا۔بلکہ خطرہ یہ ہوتا ہے۔کہ خریدار سودا لیکر چلے جائینگے۔اور قسط کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے رہینگے۔یا بالکل غائب ہو کر بائع کا حق ادا نہیں کرینگے۔اس خطرہ سے بچنے کیلئے بائع گاڑی، مکان وغیرہ اشیاء کے دستاویزات خریدار سے روکھتے ہیں۔اگر خریدار نے بروقت قسطیں ادا کیں تو آخری قسط ادا کرنے پر اس کو کاغذات مل جائیں گے اگر خریدار نے قسط ادا کرنے میں تاخیر کی یا قسط ادا کرنے سے قاصر رہا تو بیچنے والا اس دستاویزات کی بنیاد پر خریدار سے اپنی گاڑی یا مکان وغیرہ واپس لے سکتا ہے۔اب سوال یہ ہے۔کہ بائع نے جو کاغذات مشتری سے منع کئے ہیں۔اور گاڑی کو خریدار کے حوالے کی ہے۔اس گاڑی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ رہن ہے یا عاریت اگر رہن ہے۔تو اس میں یہ اشکال ہے۔کہ رہن کی صحت کیلئے شئی مرھونہ پر مرتھن کا قبضہ شرط ہے۔اور یہاں قبضہ نہیں پایا گیا کیونکہ گاڑی وغیرہ اشیاء تو خریدار کے قبضے میں ہیں بائع کے قبضے میں نہیں ہیں۔لہذا اسکو رہن کہنا درست نہیں ہے۔اور اگر یہ عاریت ہے۔تو اس پر یہ اشکال ہے۔کہ عاریت کا حکم اس وقت درست ہے۔جب مرتھن مرھونہ پر ایک بار قبضہ حاصل کر چکا ہے۔اور قبضہ کے بعد شئی مرھونہ راہن کو واپس کر دیا ہو اور یہاں رہن پر قبضہ نہیں پایا گیا۔

اس مسئلہ میں حضرت مولنا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا رجحان یہ ہے۔کہ ان کاغذات کی بناء پر یہ مبیع رہن کے حکم میں ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب فقہی مقالات ج اص ۹۵ پر لکھتے ہیں۔بہر حال مندرجہ پانچ ملاحظات کی بنیاد پر میری رائی کا رجحان رہن سائل کے جواز کی طرف ہوتا ہے۔

لیکن قطعی فیصلہ کے لئے علماء حضرات ان پر غور فرمالیں۔فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے۔کہ عاریت کے حکم میں نہیں ہے۔کیونکہ رہن کی صورت میں عاریت کا حکم اس وقت درست ہے۔جب مرتھن شئی مرھونہ پر ایک بار قبضہ کر چکا ہو۔اور قبضہ کرنے کے بعد راہن کے حوالہ کیا ہو۔اور یہاں تو مرھونہ راہن یعنی مالک ہی قبضہ میں ہے۔راہن کی طرف سے بالکل مرتھن کے قبضہ میں نہیں دیا گیا ہے۔یعنی قبضہ میں کسی قسم تبدیلی نہیں آئی ہے۔البتہ اگر اس معاملہ کو رہن کہا جائے تو درست ہے۔رہا یہ سوال کہ رہن

میں قبضہ شرط ہے۔ اور یہاں قبضہ نہیں پایا گیا۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قبضہ پایا گیا ہے۔ لیکن یہ قبضہ حقیقۃ نہیں ہے۔ حکماً ہے اور صحت رہن کیلئے حکماً قبضہ بھی کافی ہے۔ فقہاء کرام نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ بیع اور رہن میں قبضہ دو قسم ہیں ایک حقیقۃ اور دوسرے حکماً ہے۔ قبضہ حقیقۃ یہ ہے کہ شئی مرھونہ باقاعدہ مرتھن کو دیا جائے اور قبضہ حکماً یہ ہے کہ راہن مرتھن سے کہے کہ جب بھی مرھونہ اپنے قبضے میں لینا چاہتے ہو تو آپ کو اجازت ہے آپ کو مرھونہ قبضہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

فقہاء اس قبضہ حکمی کو تخلیہ کہتے ہیں علامہ حصکفی لکھتے ہیں۔ والتخلية بين الرهن والمرتهن قبض حكما على الظاهر كالبيع فانها فيه ايضا قبض۔ راہن اور مرتھن کے درمیان تخلیہ قبضہ حکمی ہے بنا بر ظاہر روایت جسطرح کہ بیع میں تخلیہ قبضہ حکمی ہے۔ اور علامہ ابن عابدین اس عبارت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قوله والتخلية هى رفع الموانع والتمكين من القبض قوله حكما لانها تسليمه فمن ضرورته الحكم بالقبض (الى ان) والمراد انه يترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقى قوله على الظاهر اى ظاهر الرواية وهو الاصح. ردالمحتار ج ۵ ص ۳۴۱.

تخلیہ یہ ہے کہ موانع دور کئے جائے اور مرتھن کو قبضہ کرنے کی قدرت دی جائے اور یہ قبضہ حکمی اس وجہ سے ہے کہ اسمیں راہن کی طرف سے تسلیم ہے۔ اور جب تسلیم ثابت ہوئی تو اسمیں یہ بات ضروری ہے۔ کہ اس پر قبضہ کا حکم لگایا جائیگا۔ اور قبضہ حکمی کا مقصد یہ ہے کہ اس پر وہ احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جو قبضہ حقیقی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ احناف کی ظاہر روایت ہے اور یہی اصح روایت ہے۔

علامہ ابن عابدین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحت رہن کیلئے قبضہ حقیقۃ شرط نہیں ہے۔ بلکہ تخلیہ یعنی قبضہ حکمی بھی کافی ہے۔ تخلیہ کے مسئلے میں مزید اطمینان حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ تبیین الحقائق ج ۶ ص ۶۳۔ البحر الرائق ج ۸ ص ۲۳۲۔ فتح القدیر ج ۹ ص ۶۹۔ مجمع الانھر ج ۴ ص ۲۷۰۔ شرح المجلۃ سلیم باز ۳۸۵ شرح المجلۃ لخالد الاتاسی ج ۳ ص ۱۳۴۔

قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی کی وضاحت کے بعد کاغذات کے رہن کے مسئلے کی وضاحت آسان ہوگئی۔ بائع کاغذات اپنے پاس اس لئے رکھتے ہیں۔ کہ اگر قسطوں میں کمی کوتاہی ہو تو اسکو گاڑی وغیرہ دیگر اشیاء قبضے میں لینا آسان ہو۔ مشتری اسکو یہ اطمینان دلاتا ہے۔ کہ کاغذات آپ کے پاس جمع ہیں۔ جب بھی قسطوں میں کمی کوتاہی ہو تو اپ کاغذات کی بناء پر گاڑی پر قبضہ کر سکتے ہو۔ اور میری طرف سے گاڑی واپس لینے کی اجازت ہوگی۔ تو اس صورت میں مشتری کی طرف سے کوئی مانع نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مانع بھی ہو تو کالعدم کے درجہ میں ہیں کیونکہ کاغذات بائع کے پاس جمع ہیں۔ لہذا اس معاملہ میں خریدی ہوئی چیز کو مرھونہ کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں تخلیہ موجود ہے۔ یعنی قبضہ حکمی اور صحت رہن کیلئے قبضہ حکمی کافی ہے۔ قبضہ حقیقی ضروری نہیں ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ اسکو بمنزلۃ الرہن کے درجہ میں شمار کیا جائے اور رہن کا درجہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ رہن میں عقد رہن یعنی ایجاب وقبول ضروری ہیں۔ اور یہاں جو ایجاب

دقبول ہوا ہے وہ بیع کی ہے۔رہن کی نہیں۔نیز رہن میں مرتھن ذمہ دار ہوتا ہے۔اور یہاں اس چیز کی ذمہ دار راہن ہی ہیں۔اگر یہ چیز ہلاک ہوگئی تو سارا نقصان راہن کا ہے۔مرتھن کا کوئی نقصان نہیں۔بمنزلۃ الرھن کی وضاحت یہ ہے۔

فقہاء کرام نے رہن کی چار صورتیں بیان کی ہیں۔(۱)۔رہن صحیح۔ (۲)۔رہن فاسد۔(۳)۔رہن باطل۔(۴)۔بمنزلۃ الرہن۔ان میں پہلی تین صورتیں واضح ہیں۔اور چوتھی صورت علامہ حصکفی نے ذکر کی ہے۔اور علامہ شامی نے اسکی مختصر تشریح کی ہے۔نیز شرح المجلۃ لخالد الاتاسی ج ۳ ص ۲۱۷ میں بھی یہ صورت مذکور ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں۔ **فقد ظهر بما قررناه وجه قوله بمنزلة الرهن اى بمنزلة من حيث ثبوت حق الحبس فقط لامن حيث انه يضمن كضمان الرهن والدليل على ذالك و على انه ليس كسائر الامانات ما فى خيارات جامع الفصولين باع ارضا بخيار و تقابضافنقضه البائع فى المدة تبقى الارض مضمونة بالقيمة على المشترى وله حسبها بثمن دفعه الى البائع . ردالمحتار ج ۵ ص ۳۴۹**

فرماتے ہیں۔کہ ہماری تقریر سے بمنزلۃ الرہن کی وجہ ظاہر ہوئی کہ رہن کے مرتبہ میں اس لحاظ سے ہے۔(یعنی عین رہن نہیں ہے)۔کہ اس میں فقط حق حبس ثابت ہے۔ اوراس میں وہ ضمان نہیں ہے۔جو رہن میں ہے۔اوراس بات پر دلیل کہ یہ عین رہن نہیں ہے۔بلکہ بمنزلۃ الرہن ہے۔اوراس کی دلیل کہ یہ امانات کے حکم میں بھی نہیں ہے۔وہ دلیل ہے جو جامع الفصولین میں ہے۔کہ کسی نے خیار کے ساتھ زمین فروخت کی اور بائع اور مشتری نے ایک دوسرے سے قبضہ حاصل کیا پھر مدت خیار میں بائع نے عقد بیع توڑ دیا تو یہ زمین مضمون بالقیمۃ ہوگی اور مشتری اپنے پیسے کے حصول کیلئے مبیع اپنے پاس روک سکتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ چوتھی صورت عین رہن کی نہیں ہے۔کیونکہ عین رہن میں دو باتیں ہوتی ہیں۔ایک حق حبس اور دوسری ضمان اور چوتھی صورت میں فقط حق حبس ثابت ہے۔ضمان ثابت نہیں ہے۔بمنزلۃ الرہن کی وضاحت کے بعد کاغذات کی صورت پر نظر ڈالیں۔کاغذات اپنے پاس رکھنے کی صورت میں مبیع مشتری کے قبضہ میں ہوتا ہے۔اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو ضمان مشتری پر ہے۔بائع پر نہیں بائع کو کاغذات کی بنیاد پر فقط حق حبس حاصل ہے۔جب بھی چاہے مبیع محبوس کرسکتا ہے۔اگر بائع نے مبیع محبوس کرلیا تو پھر محبوس کرنے کی وجہ سے ہلاکت کی صورت میں ضامن ہوگا مبیع محبوس کرنے سے پہلے اگر مبیع ہلاک ہوئی تو ضمان مشتری پر ہے بائع پر نہیں ہے۔

لہذا اس صورت کو بمنزلۃ الرہن میں شمار کرنا ہی مناسب ہے کیونکہ بمنزلۃ الرہن میں فقط حق حبس ثابت ہے۔ضمان نہیں واللہ اعلم۔

(۵) تعجیل کی صورت میں دین میں کمی کرنا:

اگر مدیون نے مقررہ مدت سے پہلے دین ادا کیا اور دائن نے بلا شرط وقید دین کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔دین مقررہ وقت سے پہلے ادا کرنا یا مدیون کو کچھ دین معاف کرنا یہ ایک قسم تبرع ہے۔البتہ وہ دین جس کی مدت ابھی باقی ہے۔اور دائن یہ شرط

لگادے کہ اگر آپ مدت سے پہلے دین ادا کرتے ہو۔تو میں دین کا اتنا حصہ چھوڑ دونگا۔تو یہ شرط جائز نہیں ہے۔اسی طرح اگر مدیون یہ شرط لگادے کہ اگر تم اتنا حصہ دین چھوڑ دیتے ہو۔تو میں مدت سے پہلے دین ادا کردونگا۔تو یہ شرط بھی جائز نہیں ہے۔علامہ جصاص فرماتے ہیں۔ ومن اجاز من السلف اذا قال عجل لی اوضع عنک فجائزان یکون اجازوہ اذالم یجعلہ شرطا فیہ و ذالک بان یضع عنہ بغیر شرط ویجعل الاخر الباقی بغیر شرط.(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۴۶۷ آیت ربا) ۔بحوالہ فقہی مقالات جن اسلاف نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔کہ اگر کوئی شخص مدیون سے کہے کہ تم میرا دین جلد ادا کردو میں تمہیں کچھ دین معاف کردونگا۔بظاہر تو انہوں نے جواز کا یہ قول اس صورت میں اختیار کیا ہے۔جبکہ دین میں یہ کمی تعجیل کیساتھ مشروط نہ ہو۔دائن بغیر شرط کے دین کا کچھ حصہ ساقط کردے اور مدیون بغیر کسی شرط کے دین جلدی ادا کردے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مشروط طور پر مدت سے پہلے دین ادا کرنا بھی جائز ہے۔اور غیر مشروط طور پر مدیون کو دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔

(۶) بنو نضیر کے واقعہ سے جواز کا استدلال اور اس کا جواب:

۱۔ بعض حضرات اس معاملے کے جواز کے لیے یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔کہ حضورؐ نے بنو نضیر کو جلاوطنی کی حالت میں اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے۔کہ:

لما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باخراج بنی النضیر من المدینتہ جاءہ أناس منھم فقالو یا رسول اللہ! انک امرت باخراجھم ولھم علی الناس دیون لم تحل فقال النبی صلی اللہ ضعوا و تعجلوا(السنن الکبری للبیھقی ۲۸/۶)

ترجمہ:جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔تو کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکلنے کا حکم فرمایا ہے حالانکہ لوگوں پر ان کے دیون باقی ہیں۔جن کی ادائیگی کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ ساقط کردو اور جلدی ادا کردو'۔

جواب:بنو نضیر کا واقعہ اس مسئلے میں جواز کی حجت نہیں بن سکتا۔اولاً تو اس لئے کہ اس کی سند ضعیف ہے چنانچہ امام بیہقیؒ نے خود ہی اس کی تصریح کردی ہے۔کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے۔لہٰذا اس کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲۔دوسرا یہ کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کا یہ واقعہ سن (۲) ہجری میں پیش آیا۔اس طرح یہ واقعہ سود کی حرمت کا حکم آنے سے پہلے ہو جائے گا۔ (فقہی مقالات(۱)ص/۱۰۱)

۳۔دوسرا شبہ تنویر کی اس عبارت سے لوگ کرتے ہیں۔قال اد الیّ خمسمائۃ غدا من الف لی علیک علی انک بریٔ

من الباقی فقبل بری وان لم یؤد ذالک فی الغد عاد دینه (ردالمحتار ص ۵۳۴/ج ۴)

(۷) تنویر کی عبارت سے جواب:

صاحب تنویر کا جزئیہ مذکورہ دیون حالہ کے بارے میں ہے۔ یعنی رفع وتعجیل کی ممانعت صرف دیون مئوجلہ میں ہے۔ جہاں تک دیون حالہ کا تعلق ہے۔ جن کی ادائیگی کے بارے میں عقد کے اندر کسی مدت کو شرط قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں چونکہ احسان صرف دائن کی طرف سے ہے۔ مدیون کی طرف سے کوئی احسان نہیں یا بالفاظ دیگر دائن کوئی چیز غیر مستحق بالعقد مثلاً تعجیل وغیرہ صلح میں شرط نہیں لگاتا۔ کیونکہ تعجیل تو پہلے سے ہے۔ اس لئے یہ صورت بقاعدہ مذکورہ جائز ہے۔ ورنہ اگر الف مئوجل مراد لیا جائے۔ تو جواز کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن جواز کے لئے شرط یہ ہے۔ کہ مدیون باقی دین فوراً ادا کردے علماء مالکیہ کی کتب میں (المدونۃ الکبری) وغیرہ میں اس کے جواز پر تصریح موجود ہے۔

اسی طرح صاحب ہدایہ کی یہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے۔ صورت اولیٰ کے عدم جواز پر بطور حجت پیش کرنے کے لیے۔

قولہ: ولو کانت له الف مؤجلة فصالحه علی خمسمائة حالة لم یجز قال العلامه المرغینانی لان المعجل خیر من المئوجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ماحطه وذالک اعتیاض عن الأجل وهو حرام (هدایه ص ۲۵۱/۳/

(۸) بیع منعقد ہونے کے بعد مبیع اور ثمن میں زیادت یا کمی کرنا:

انعقاد بیع کے بعد مشتری کیلئے جائز ہے۔ کہ وہ بائع کیلئے مبیع کی قیمت میں زیادت کردیں۔ مثلاً قیمت دس روپیہ ہے۔ اور مشتری اپنی مرضی سے دس کے بجائے بارہ روپیہ دیدے۔ اسی طرح بائع کیلئے جائز ہے۔ کہ وہ مشتری کیلئے مبیع میں زیادت کردے۔ مثلاً دس روپیہ میں ایک کلو گندم ملتا ہے۔ بائع ایک کلو کے بجائے ڈیڑھ کلو گندم دیدے۔ اسی طرح بائع کیلئے یہ بھی جائز ہے۔ کہ وہ قیمت میں کمی کردے۔ مثلاً دس میں آٹھ وصول کرلیں۔ اور دو روپیہ ساقط کردیں۔ یہ تمام صورتیں انعقاد کے بعد ہیں۔ اور یہ زیادت اور کمی اصل عقد بیع میں شمار ہوگی۔ یعنی ہم یہ کہیں گے کہ اس عقد بیع میں کم قیمت پر پورا مبیع مل گیا یا اصل قیمت کے اعتبار سے زیادہ مبیع مل گیا۔ علامہ مرغینانی یہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن ویجوز للبائع ان یزید للمشتری فی البیع ویجوز ان یحط عن الثمن ویتعلق الا ستحقاق بجمیع ذالک فالزیادة والحط یلتحقان بأ صل العقد عندنا. (الهدایة ج ۳ ص ۷۸)

(۹) بیع بالتقسیط میں مدت پوری ہونے سے پہلے قسط ادا کردینا:

مدت پوری ہونے سے پہلے قسط ادا کرنا تو جائز ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مشتری نے بیع بالتقسیط کی صورت میں مدت پوری ہونے سے

پہلے تمام قسطیں ادا کردی تو کیا بائع کیلئے سارا نفع لینا جائز ہے۔فقہاء نے اس سوال کا جواب نہیں سے دیا ہے۔فقہاء کی عبارات میں صریح حرمت کا فتوئ تو نہیں ہے لیکن رجحان حرمت کی طرف ہے۔

مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً بائع کے پاس ایک چیز ہے جس کی قیمت دس روپیہ ہے انہوں نے دس مہینے مدت کی وجہ سے بیس میں فروخت کردی گویا انہوں نے ہر مہینے کے حساب سے ایک روپیہ قیمت بڑھادی اب مشتری نے پانچ مہینے بعد سارا دین ادا کردیا تو بائع اصل قیمت کے علاوہ کتنے نفع کا حقدار بنتا ہے۔فقہاء کی تصریحات یہ ہیں۔کہ چونکہ بائع دس روپیہ مہینوں کی بناء پر وصول کرتا ہے۔اب وہ پانچ مہینے بعد دین وصول کرتا ہے لہذا بائع کیلئے پانچ روپیہ نفع لینا ہوگا۔دس نہیں کیونکہ وہ دس مہینوں کی وجہ سے دس روپیہ کا حقدار ہوگا۔جب دس مہینے مدت ختم ہوئی تو اسکے ساتھ مدت کی وجہ سے نفع بھی ختم ہوا اور مشتری بھی دس کے بجائے بیس پر اس وجہ سے راضی ہوا کہ اسکو دین ادا کرنے میں دس مہینے رعایت حاصل ہے ورنہ وہ نقد کی صورت میں دس کے بجائے بیس پر کبھی رضامند نہیں تھا۔چونکہ یہ دین اپنی مدت سے پہلے مشتری اپنی مرضی سے ادا کرتا ہے۔اس وجہ سے فقہاء نے صراحۃً حرمت کا حکم نہیں لگایا بلکہ نرم انداز اختیار کرکے کہا کہ بائع سارا نفع وصول نہ کریں۔ بلکہ مدت کے حساب سے نفع وصول کریں۔اور مشتری کے حق میں نہیں کہا کہ سارا نفع نہ دیں چنانچہ یہ مسئلہ شامی ج ۴ ص ۱۹۱ شرح المجلۃ لخالد الاتاسی ج ۴ ص ۵۵۲ فتاویٰ تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۲۹۳۔پر مذکور ہے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں۔وسیجئ اخر الکتاب انہ لوحل بموتہ او اداہ قبل حلولہ لیس لہ من المرابحۃ الابقدرمامضی من الایام وھو جواب المتأخرین .اوراس عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

قولہ وسیجی اخر الکتاب ای قبیل کتاب الفرائض وھذا مأخوذ من القنیۃ حیث قال فیھا برمزنجم الدین ۲ قضی المدیون انہ لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الابقد رما مضی من لایام قبل لہ اتفتی بہ ایضاً قال نعم قال ولو آخذ المقرض القرض والمرابحۃ قبل مضی الاجل فللمدیون ان یرجع بحصتہ ما بقی من الایام وذکر الشارح آخر الکتاب انہ افتیٰ بہ المرحوم مفتی الروم ابوالسعود وعللہ بالرفق من الجانبین قلت وبہ افتیٰ الحانوتی وغیرہ وفی الفتاویٰ الحامدیۃ سئل فیما اذا کان لزید بذمۃ عمر و مبلغ دین معلومۃ فرابحہ علیہ الیٰ سنۃ ثم بعد ذلک بعشرین یوما مات عمر المدیون فحل الدین ودفعہ الوارث لزید فھل یاخذ من المرابحۃ شئی اولا الجواب جواب المتاخرین انہ لایا خذ من المرابحۃ التی جرت المبایعۃ علیھا بینھماالابقدار ما مضی من الایام قیل للعلامۃ نجم الدین اتفتی بہ قال نعم کذافی الانقروی والتنویر وافتیٰ بہ علامۃ الروم. مولانا ابوالسعود .(رادلمحتار ج ۷ ص ۱۹۱)

فقہاء نے اس مسئلہ میں جوفتویٰ دیا ہے اس میں احتیاط ہے کیونکہ بیع بالتقسیط میں جتنا نفع کم ہوتو اصل قیمت تک مبیع قریب ہوتا جائیگا۔اور

جتنا نفع زیادہ ہوتو مبیع اصل قیمت سے دور ہوتا جائیگا۔ چنانچہ علامہ حصکفی علامہ ابن عابدین۔ علامہ نجم الدین۔ مفتی الروم ابوالسعود۔ مفتی دمشق حامد آفندی۔ علامہ حانوتی۔ علامہ خالد اتاسی۔ صاحب القنیۃ۔ صاحب الانقرویہ۔ جیسے علماء کا رجحان عدم جواز کی طرف ہے۔

(۱۰) قسط میں تاخیر کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرنا:

بسا اوقات دائن کو مدیون ٹال مٹول کر کے دین بروقت ادا نہیں کرتا ہے۔ تو دائن ٹال مٹول کی وجہ سے دین کی تاخیر پر اصل دین کے علاوہ کچھ اضافی مطالبہ کرتا ہے۔ اور وصول بھی کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ دین کی تاخیر کی وجہ سے مزید اضافہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ دائن کیلئے کسی صورت میں دین کی تاخیر پر اضافی رقم لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دین ہے۔ اور دین سے نفع لینا سود ہے۔ مدیون تنگ دست ہو یا فراخ دست ہو حکم یکساں ہے۔ البتہ اگر تنگ دست ہو تو تاخیر دین کی وجہ گنہگار نہیں ہے۔ اگر فراخ دست ہو تو پھر تاخیر دین پر گنہگار ہے۔ واللہ اعلم۔

عصر حاضر کے اہم اور جدید مسائل پر فقہی بحث اور تحقیق

کیلئے منعقدہ سیمینار کی رپورٹ

روئیداد اسلام آباد فقہی سیمینار

بعنوان: اسلام کا مالیاتی نظام

زیر نگرانی: مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی (ایم این اے)

نوٹ: چھ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر روئیداد مفت حاصل کریں۔

پتہ: جامعۃ المرکز الاسلامی بنوں پاکستان ڈیرہ روڈ پوسٹ بکس نمبر 33

فون: 0928-310353 فیکس: 310355

ای میل: almarkazulislami@maktoob.com